

علماء اور حکومت

(۲)

سید احمد اگبر آبادی

اس موقع پر سوال ہو سکتا ہو کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ علماء کا ایک بڑا طبقہ کاروبار حکومت سے الگ تھلگ رہا اور نسبتاً کم افراد نے حکومت سے تعاون کیا اور عہدے اور مناصب قبول کئے؟ جواب یہ ہے کہ جب تک حکومت کے ارکان شریعت کے پابند رہے اور ان کا نظام حکمرانی اسلامی احکام و قوانین کا تابع رہا علماء بحقیقت مجموعی امور حکومت و مملکت میں جنس نہیں ہے اور انھوں نے ان سے مجتنب رہنا مناسب نہیں جانا۔ لیکن جب صورت حال بدلی اور شخصی حکومتوں نے مملکت رانی کے لئے احکام شریعت کی پابندی ضروری نہیں سمجھی اور دنیوی اغراض و مقاصد نے ان پر غلبہ حاصل کر لیا تو اب علماء میں دو طبقے ہو گئے۔ ایک بڑے طبقہ کا خیال یہ تھا کہ ملک کی فلاح و مہم جوئی اور اسلامی معاشرہ کی خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ حکومت سے الگ رہ کر اصلاح کی کوشش کی جائے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض پورے طور پر اسی وقت سر انجام پاسکتا ہے جب کہ علماء حکومت کے ساتھ تعلق کے اثرات سے آزاد رہیں گے ورنہ اظہارِ کلمہ حق میں بالواسطہ یا بلاواسطہ مداخلت کے پیدا ہو جانے کا خطرہ ہو۔ علماء میں اکثریت اسی خیال کے حضرات کی تھی چنانچہ تاریخ و سیر کی کتابوں میں کثرت سے ایسے اقوال ملیں گے جن میں اکابر علماء و مشائخ نے حکومت سے قرب کی مذمت کی ہو اور حالین شریعت کے لئے اسے ننگ و عار بتایا ہے۔ ابو قلابہ مشہور محدث اور عالم ہیں انھوں نے ایک مرتبہ اپنے شاگرد ابو بکر سختیانی کو تین نصیحتیں کیں ان میں سے ایک نصیحت یہ تھی کہ بادشاہوں کی دیوبڑھی پر نہ جانا۔ حضرت سفیان ثوری نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا ”جہنم میں ایک غار ہے جس میں صرف بادشاہوں کے مصاحب بھینکے جاتے ہیں“ حضرت قتادہ کا قول تھا کہ بدترین حاکم وہ ہیں جو علماء سے دور رہتے ہیں اور بدترین علماء وہ ہیں جو حکام

سے تقریب رکھتے ہیں۔ اعش سے ایک بار کسی نے کہا ”حضرت! آپ نے تو علم کو زندہ کر دیا۔ کتنے بے شمار آدمی ہیں جو آپ سے فیض یاب ہو رہے ہیں“ فرمایا: ”ذرا تعجب نہ کرو۔ ان لوگوں میں ایک تہائی تو وہ ہیں جو تکمیل سے پہلے ہی مر جائیں گے، دوسری تہائی امرار و حکام کے ہو کر رہ جائیں گے اور یہ لوگ مردوں سے بدتر ہوں گے، البتہ صرف ایک تہائی وہ ہونگے جو کامیابی کا منہ دیکھیں گے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کو ایک نامور عالم اسماعیل بن علیہ کے متعلق معلوم ہوا کہ انھوں نے تحصیل داری کا ہمدہ قبول کر لیا ہے تو حسب ذیل اشعار لکھ کر بھیجے

یا جاعل العلم له یائراً بصطاء اموال المساکین
احتلت للدنیا ولذا اتعنا بحيلة تذهب بالدين
فصرت محنونا بها بعد ما كنت دواءاً للحجائین
این سرايا تلك فیما مضی عن ابن عوت وابن سیرین
ودرسك العلم یا شارساً وتركك ابواب السلاطین
تقول: اگر ہت۔ فماذا کذا نزل حمار العلم فی الطین

ترجمہ :- اے علم کو ایسا بازینا لے والے جو غریبوں کے مال کا شکار کرے تو نے دنیا اور اس کی لذتوں کے لئے ایسا جیل تراشا ہے جو دین کو لے ڈوبے گا۔ تو دنیا کی محنت میں پاگل بن گیا، حالانکہ تو خود دیوانوں کے لئے دوا کا حکم رکھتا تھا۔ گذشتہ زمانہ میں تو ابن عون اور ابن سیرین سے جو روایات بیان کرتا تھا اب وہ کہاں ہیں اور وہ تیرا درس علم اور بادشاہوں کے دروازہ کو ترک کر دینا کہاں ہے؟ تو کہتا ہے کہ میں دشاہی نوکری قبول کرنے پر مجبور کر دیا گیا تھا مگر نہیں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ علم کا گدھا کچھڑ میں پھیل گیا۔

پھر صرف اکابر علماء مشائخ کا ذکر نہیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد بعض اجلہ صحابہ نے اسی دور قسن کے پیش نظر اہل علم کے لئے حکومت سے تقرب کو خطرناک قرار دیا تھا۔ حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تم پر بادشاہوں کی حکومت ہوگی

وہ اچھے بُرے کام کرینگے۔ انکی بُرائیوں پر جو عترتیں کر گیا خدا کے سامنے وہ بُری الذمہ ہوگا اور جو خاموشی اختیار کرے گا مگر دل میں انھیں بُرا سمجھے گا وہ بھی (عذاب الہی سے) بچ جائیگا۔ لیکن جو ان کاموں پر مدحی ہو گیا اور بادشاہوں کے پیچھے لگ گیا۔ تو خدا اسے ہلاک کر دے۔“ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا ”شاہی ڈیوڑھی پر فتنے اسی طرح جے بیٹھے رہتے ہیں جس طرح اونٹ اپنے تھانوں پر جم کے بیٹھتے ہیں، قسم اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہو تم اُن کی دنیا میں سے جتنا پاؤ گے اُس سے زیادہ وہ تمہارے دین میں سے لے لیں گے۔“

بات اگرچہ طویل ہو گئی لیکن دراصل دکھانا یہ تھا کہ اگر علماء نے حکومت سے اجتناب کی پلسی اختیار کی تو اس کی بنیاد احساسِ کمتری پر نہیں تھی جیسا کہ آپ فرماتے ہیں بلکہ مسلمانوں اور خود مملکت کی خیر خواہی کے جذبہ سے تھی اور فرمانِ نبویؐ، ارشاداتِ صحابہؓ اور علمائے متقدمین کے اقوال و اُردا پر مبنی تھی

یہاں تک علماء کے صرف ایک طبقہ کا ذکر ہوا ہے، دوسرے طبقہ جو نسبتاً اقلیت میں تھا اُس کی رائے یہ تھی کہ بادشاہ خواہ کیسے ہی ہوں بہر حال اُن سے ربط و ضبط رکھنا چاہئے تاکہ اُن کو اُن کی غلطیوں اور بُرائیوں پر ٹوکا جاسکے ورنہ اُن سے دور رہنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ شتر بے تہا کی طرح آزاد ہو جائیں گے اور روک ٹوک کے بغیر جو اُن کے جی میں آئیگا کرتے رہیں گے۔ چنانچہ عروۃ بن الزبیر، امام زہری اور اُن کے طبقہ کے لوگ، اسی طرح حضرت شعبی، ابن ابی ذویب، رجاء بن حیوہ، حسن بصری، ابو الزناد، امام مالک، امام اوزاعی اور امام شافعی، یہ سب اسی دوسرے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ حضرات دربارِ سلطانی سے تعلق رکھتے تھے مگر اُن کی غرض کیا تھی؟ اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ ایک مرتبہ شیخِ امام مالک سے کہا کہ آپ ان حکام کے پاس جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ ظالم اور متکبر ہیں، جواب میں فرمایا ”ہاں! تم پر خدا کی رحمت! اگر میں بھی ان کے پاس نہ جاؤں تو کلہر حق کا اعلان کون کر گیا“ لیکن حکام اور اہلِ حکومت کے ساتھ یہ ربط و ضبط و تعلق رکھنے کے باوجود یہ علماء اپنی خود داری اور عالمانہ وقار و استغنا کو کس طرح قائم رکھتے تھے اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے حج سے فراغت کے بعد مدینہ میں حاضری دی تو امام مالک کی خدمت میں پانسو دینار کا ایک نوٹا بھی بطور نذر پیش کیا۔ پھر جب واپس ہونے لگا تو امام عالی مقام سے درخواست کی کہ اس کے ہمراہ بعد از تشریف لے چلیں۔ یہ سن کر امام مالک نے قاصد سے کہا ”اپنے آقا سے کہہ دینا تمہاری بھیلی اسی طرح سر بھر رکھی ہوئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مدینہ اپنے باشندوں کے لئے بہترین مقام ہے

بشرطیکہ وہ سمجھیں ۔

بہر حال علماء پہلے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں یا دوسرے سے ان میں سے ہر ایک کا عمل اور حکومت کے ساتھ ان کی روش کسی اپنے ذاتی جذبہ یا نفسیاتی کیفیت پر مبنی نہیں تھی بلکہ جو کچھ بھی تھا شرعی مصلحت کے تقاضے سے تھا ۔
یہ جتانے کی ضرورت نہیں ہو کہ علماء سے میری مراد علماء حق ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ علمائے سوکے ہاتھوں اسلام اور مسلمانوں کو سخت اور ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہو لیکن کیا کچھ کہ فطرت کا قانون کچھ ایسا ہی ہے کہ چراغ مصطفویٰ کو شرابو لہی سے ہمیشہ سائیکہ رہا ہے اس چمن زار بستی کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ پہلو میں اگر کانٹے نہ ہوں تو پھولوں کے حسن کا رنگ زیادہ شوخ بھی نہیں ہوتا ۔ وہ کونسا گروہ اور طبقہ ہو جس میں اچھے برے دونوں قسم کے لوگ نہیں ہوتے حکمرانوں میں ، امیروں اور وزیروں میں ، ڈاکٹروں میں ، وکیلوں میں ، تاجروں اور دوکانداروں میں ۔ ہر ایک میں اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی ۔ اور آپ چند برے افراد کی وجہ سے پورے طبقہ سے متغیر نہیں ہو جاتے بلکہ اُس کی اہمیت اپنی جگہ تسلیم کرتے ہیں ۔ پس اسی طرح اگر علماء میں بھی کچھ افراد علمائے سوکے مصداق ہوئے تو آپ کو یا کسی کو زیبا نہیں ہو کہ ان چند لوگوں کی برائیوں کا ذمہ دار پورے طبقہ ہی کو قرار دیں ۔ کہیں لَوْ لَمْ يَكُنِ الْإِسْلَامُ سِوَاكَ اور وَلَا تَزِرُ وَازِرَكَ وَلَا تَزِرُ وَازِرَتَكَ اَوْحٰی ارشاد ربانی ہو اپنے اپنے خطا میں علماء کی نسبت جو باتیں کہی تھیں میرا خیال ہو کہ میں سطور بالا میں ان سب کا جواب عرض کر چکا ہوں ۔ اب حکمران طبقہ کے متعلق آپ نے جو ریمارک کیا ہو اُس کے بارہ میں مختصر گزارش کرتا ہوں ۔
معلوم نہیں آپ نے یہ کیسے لکھ دیا کہ (۱) حکمران طبقہ کا آپس میں کبھی ایسا اختلاف نہیں ہوا جس کی مصالحت نہ ہو سکے اور (۲) حکمران طبقہ میں یک جہتی زیادہ ہو یہ نسبت علماء کے ۔ عرض یہ ہے کہ اگر اس سے آپ کی مراد پاکستان کا موجودہ حکمران طبقہ ہے تو میں اس کو تسلیم کر سکتا ہوں اگرچہ یہ پھر بھی کہوں گا کہ یہ طبقہ دراصل فوجی ہے جو اس وقت حکمرانی کر رہا ہو اور یہ مسلمہ بات ہو کہ اس طبقہ میں ڈسپلن ، نظم و نسق اور یک جہتی رتبے زیادہ ہوتی ہے ۔ اس بنا پر پاکستان کے موجودہ حکمران طبقہ میں ان اوصاف کے پائے جانے کی وجہ یہ ہو کہ وہ اصلاً ملٹری سے تعلق رکھتے ہیں ، ورنہ ظاہر ہے موجودہ حکومت سے پہلے جو وزارتیں بن بن کے بگڑ گئیں ان کا حال ساری دنیا کو معلوم ہے اور انھوں نے ملک اور قوم کی جو گت بنا دی تھی وہ کوئی

وہ کوئی چھپا ہوا بھید نہیں ہے۔

لیکن اگر آپ کی مراد یہ ہے کہ تاریخ میں حکمران طبقہ کی خصوصیات ہمیشہ یہی رہی ہیں تو میری سمجھ میں نہیں آتا آپ نے ایک ایسی بات کیونکر لکھ دی جس کی واضح اور صاف تردید تاریخ اسلام کا صفحہ صفحہ کرتا ہے ذرا سوچیے۔ تاریخ اسلام کی پوری طویل مدت میں جو بار بار حکومتیں بگڑی اور مٹی میں۔ بغاوتوں کے طوفان اُٹھے خانہ جنگیوں نے ملک کا امن و امان تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ طوائف الملوکی نے عوام اور خواص کی زندگی اچیرن بنا دی۔ بھائی بھائی سے دست و گریبان رہا۔ اوچھا بھتیجہ سے سرگرم پیکار۔ ان تمام چیزوں کا باعث ہمیشہ حکمران طبقہ رہا ہے یا علماء کا طبقہ؟ بیشک لڑائیاں علماء میں بھی ہوئی ہیں، جیسا کہ خود آپ نے بھی تحریر کیا ہے۔ لیکن دونوں طبقوں کی باہمی جنگ آزمائیوں کا مقابلہ و موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ علماء کی آپس کی لڑائیوں میں جو خون بہا ہے اُس کو حکمران طبقہ کی باہمی جنگوں میں بہنے والے خون کے ساتھ وہ ہی نسبت ہو جو ایک جوئے کم آب کو ایک بحرِ ذخار کے ساتھ ہوتی ہے۔

عام طور پر لوگ شکایت کرتے ہیں اور آپ نے بھی کی ہے کہ علماء میں کبھی اتفاق نہیں ہوا، وہ کبھی کسی بات پر متفق نہ ہو سکے اور ہمیشہ ایک دوسرے کے خلاف نبرواڑا ہے۔ گزارش یہ ہو کہ یہ اختلاف جو ایما مذاکرے سے کسی ذاتی غرض کے بغیر ہو (علمائے سو خارج از بحث ہیں) برہمن اچھا ہو، بلکہ اسلام جیسے عالمگیر اور وسیع مذہب کے لئے ناگزیر ہے۔

ہر تحریک کا خاصہ یہ کہ ابتدا میں اُس کے کارکنوں میں کچھ زیادہ اختلاف نہیں ہوتا لیکن جب وہ تحریک بڑھتی اور پھیلی ہو اور مختلف مزاج اور طبیعت کے لوگ اُس میں شامل ہو جاتے ہیں تو اب اس تحریک کی عمر جتنی زیادہ ہوتی جاتی ہے اُسی قدر اُس کے ماننے اور چلانے والوں میں اختلافات زیادہ پیدا ہوتے جاتے ہیں اسلام کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا اور اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں میں جو اختلاف سیاسی اغراض و مقاصد کے تحت پیدا ہوا اُس نے اسلام کو شدید نقصان پہنچایا لیکن اس کے برعکس جو اختلاف فقہ اور استنباط احکام کی راہ سے داخل ہوا اُس نے اسلام کو بے حد فائدہ پہنچایا۔ اُس کی وجہ سے احکام شریعت میں وسعت اور یکپیدا ہوئی۔ استنباط احکام کے اصول اور قواعد مرتب ہوئے اور یہ معلوم ہوا کہ احوال

دعوت کے تغیر و تبدل کی وجہ سے احکام سابقہ میں کس حد تک تغیر و تبدل کیا جاسکتا ہے اور کسی ملک اور قوم کے لوگوں کے عرف و عادات اور ان کے رسم و رواج کو اسلامی احکام و قوانین کے ساتھ ہم آہنگ بنایا جاسکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں باتیں منقول ہیں۔ آپ نے مستقبل میں اختلاف امت پر اپنے شاگرد غم و غصہ کا اظہار بھی فرمایا ہے۔ چنانچہ بخاری میں حضرت زینب بنت جحش سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خوابے بیدار ہوئے تو روئے مبارک سرخ تھا اور فرما رہے تھے ”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ عرب کے لئے اُس شر سے ہلاکت ہوگی جو قریب آگیا ہے اور اس سے اشارہ اُس اختلاف کی طرف تھا جو ان میں پیدا ہوا“ اور ساتھ ہی آپ نے اختلاف کو رحمت فرمایا ہے۔ ان دونوں اقوال کی توجیہ یہی ہے کہ پہلی قسم کا اختلاف جو سیاست اور خاندانی یا نسلی عصبیت کی راہ سے آیا وہ سر تا سر شتر تھا اور اس سے اسلام میں رخصت اور فرقی پیدا ہونے لگا لیکن جو اختلاف فقہ کی راہ سے پھلوں پر پڑا اس سے اسلامی احکام میں مسعت اور فرقی پیدا ہونے لگا چنانچہ خود صحابہ کرام میں فروعی مسائل میں جو اختلاف تھا حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے ایک قول میں اس پر ستر کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر صحابہ میں یہ اختلاف نہ ہوتا تو ہم ضیق میں ہوتے پھر یہ بھی دیکھئے کہ یہ اختلاف کہاں نہیں ہوتا؟ فلاسفہ اور حکما میں ہوتا ہے۔ قانون دانوں میں ہوتا ہے۔ ایک ہی علم و فن کے مختلف اصحاب میں ہوتا ہے۔ لیکن کیا اس اختلاف کا نتیجہ ہی ہوتا ہے کہ آپ قانون، فلسفہ یا متعلقہ علم و فن سے ہی دستبردار ہو جائیں یا ان آپس میں اختلاف کرنے والوں سے بیزاری کا اظہار کرنے لگیں۔ اچھے برے لوگ ہر طبقہ میں ہوتے ہیں، علما بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں لیکن جس طرح چند برے ڈاکٹروں، پروفیسروں، ادباء، ریاست، امارات، فلاسفہ اور ادبا اور شعرا کی وجہ سے ان لوگوں کا طبقہ برا نہیں بن جاتا اسی طرح چند علما و سوچنے کی شناخت چند انشکل نہیں ہے، ان کی وجہ سے علماء کا طبقہ بھی مذموم نہیں ہو جاتا، اگر کسی قانون کی تنقید کے لئے اس کے تارحین اور مفسرین کا وجود ناگزیر ہے تو بے شبہ اسلامی احکام کی تنقید کے لئے ایک ایسے طبقہ کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا جس کے افراد نے عمریں صرف کر کے اسلامی شریعت میں بصیرت اور درک و کمال حاصل کیا ہو۔

جہاں تک آپ کے خطا کا تعلق ہو اُس کا جواب پورا ہو گیا۔ اب آخر میں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ آپ نے

برہان میں میرے جن نظرات کو ملاحظہ فرما کر یہ خط لکھا ہے اُن کے لکھنے سے میرا جو مقصد تھا اور جو اُن کی اصل پسِ
مختی غالباً آپ اُس کو صحیح طور پر محسوس نہیں کر سکے، ورنہ اس خط کی ضرورت نہ تھی۔ میں نے نظرات میں نہ حکمران
طبقہ کی مذمت کی تھی اور نہ علما کی مدح اور ستائش، بلکہ مقصد صرف یہ تھا کہ جدید سائنس، جدید علوم و
فنون، مغربی تہذیب کے عالمگیر اثرات اور بین الاقوامی سیاسی اور تمدنی افکار و حالات کی وجہ سے اسلامی
سماج کے سیکڑوں نئے نئے مسائل پیدا ہو گئے ہیں جن سے کسی ایک ملک کے نہیں بلکہ دنیا کے تمام مسلمان
آجکل دوچار ہیں اور علماء کا فرض ہے کہ جن اصولِ اجتہاد کی روشنی میں فقہائے متقدمین نے اپنے زمانہ کے
جدید معاملات و مسائل کا حل پیدا کر لیا تھا انھیں سے کام لے کر وہ آج کے مسائل کا حل معلوم کریں "مصر کا
جدید تعلیم یافتہ طبقہ آجکل یہ کام کر رہا ہے اور اسلامی فقہ اُس کی علمی تحقیقات کا بہت اہم موضوع بنا ہوا ہے۔
دوسرے ملکوں کے علماء کا بھی فرض ہے کہ اپنے اپنے ملک کے خاص حالات کے پیشِ نظر اس نوع کے کام
کی طرف زیادہ سے زیادہ متوجہ ہوں۔ یہ کام حکمران طبقہ اور علماء کے باہمی تعاون اور اشتراک سے ہی
ہو سکتا ہے۔ حکمران طبقہ کے ہاتھ میں قوتِ تنفیذ ہے اور علماء تقنین کر سکتے ہیں گویا آج کل کی زبان میں
علماء کی حیثیت وہی ہے جو جبرائیل پارلیمنٹ کی ہوتی ہے۔ اگر کوئی حکومت پارلیمنٹ کو بالکل نظر انداز کر دے
یا پارلیمنٹ حکومت سے تعاون نہ کرے دونوں صورتوں میں ایک عوامی اور جمہوری حکومت قائم نہیں ہو سکتی۔
میں یہ بھی واضح کر دوں کہ میری یہ گفتگو صرف ایک اصولی گفتگو ہے۔ پاکستان میں ابھی جو اصلاحات
نافذ ہوئی ہیں وہ اسلامی نقطہ نظر سے کیسی ہیں؟ اُس کے متعلق میں نے ابھی تک اپنی کوئی رائے ظاہر
نہیں کی ہے۔ فقط والسلام۔

ضرورتِ تفسیرِ مواہب الرحمن بلبسواں پارہ

تفسیرِ مواہب الرحمن مصنفہ مولانا سید امیر علی رح کا بلبسواں پارہ اہم علمی ضرورت کے تحت مطلوب ہے
جو صاحبِ علیحدہ اس پارہ کو الگ کرنا پسند فرمائیں ذیل کے پتہ پر مطلع فرما کر ممنون فرمائیں اور مناسب
ہر یہ بھی تحریر فرمادیں تاکہ پیش کر دیا جائے۔

نیاز مند

محمد علیم الدین قادری، ۲۳ زکریا اسٹریٹ کلکتہ ۷۰